ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

سیرت النبی ﷺ اور مولانا سیدزوار حسینؒ

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ہمارا دین قرار دیا اور یہی وہ دین ہے جو اللہ کے ہاں قابل قبول ہے،(۱) اسلام کی تفہیم و تبلیغ ہر دور میں زمانے کے تقاضوں، علمی مطالبات اور ضروریات کے تحت کی جاتی رہی ہے، علوم کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ ان علوم کی تفصیلات میں اتنا اضافہ ہوا کہ ہر علم کے بطن سے ذیلی علوم نے جنم لیا۔ ایک مثال پیش کی جاتی ہے، ایک زمانے میں جامعات میں پولیٹکل اکانومی کی تعلیم دی جاتی تھی پھر اکنامکس اور پولیٹکل سائنس الگ علوم قرار پائے، پھر پولیٹکل سائنس کو سیاسی نظریات اور حکومت میں تقسیم کیا گیا، یہ سلسلہ بڑھتا رہا، یہاں تک کہ بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ ایک الگ علم قرار پایا، پھر بین الاقوامی تعلقات اور بین الاقوامی دساتیر کے مطالعے مختلف علمی تنظیم قرار پائے، اسی طرح معاشیات نے بھی پہلے ذیلی شعبوں کو پھر الگ الگ باضابطہ علمی تنظیموں کو جنم دیا۔

اسی سے دینی علوم کے پھیلاؤ کا اندازکیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں میں دین کو مدتوں مرکزی حیثیت حاصل رہی، چنانچہ بڑھتے ہوئے اسلامی ادب نے مطالعے کے کتنے ہی میدانوں کو مستقل علوم کا درجہ عطا کیا، تفسیر، حدیث، فقہ، وغیرہ، لیکن مجموعی طور پر یہ بات درست ہے کہ اسلامی علوم کا رشتہ حیاتِ انسانی سے مستقل جڑا رہا، قرآن مجید جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں کتاب العجائب و الغرائب ہے، مختلف پہلوؤں سے مطالعے کا موضوع ہے۔، کچھ مفسرین نے وجہ نزول پر زور دیا، کچھ نے فقہی مسائل کا استنباط قرآن سے کیا، کچھ نے تاریخی اعتبار سے قرآن حکیم کی روشنی میں امم سابقہ کے حالات وکوائف کا مطالعہ کیا، کچھ حضرات نے لغات اور اسلوبیات کو اپنے مطالعۂ قرآن میں بنیادی اہمیت دی۔ لیکن مجموعی طور پر قرآن حکیم کے مفسروں نے انسانی ہدایت کو کتاب مقدس کا مقصود جانا، دوسرے [illegible]ں ہماری مستند تفاسیر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کا سبب نزول انسانیت سازی ہے، اور

انسان کتاب عظیم کا بنیادی موضوع ہے۔

قرآن حکیم میں حیات انسانی کا پورا خاکہ موجود ہے، اور انسانی زندگی کے مسائل اور گوں ناگوں مطالبات کی تفصیلات سیرت النبی ﷺ کی تفصیلات سے اجاگر ہوتی ہیں۔ کتاب وسنت کی یکجائی سے ہمیں قرآن حکیم کے اس ارشاد کا مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲)

اور اسی یکجائی سے ہمیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کے مفاہیم تک رسائی حاصل ہوتی ہے کہ ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا''؟ (۳) یہ بات ہماری ماںؓ نے اس سوال کے جواب میں فرمائی تھی کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق کچھ بتائیے۔

قرآن نے ہمیں دستور حیات کی بنیادی دفعات عطا کیں اور حیات محمد ﷺ نے ان دفعات کے اطلاقی پہلو آشکار کئے، یہ کہنا مجموعی طور پر درست ہے کہ قرآن حکیم نے ہمیں دین کی بنیادیں عطا کیں اور حدیث وسنت سے اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔ مختلف ادوار میں حدیث وسنت کے بارے میں ابہام واشکال پیدا کرنے والوں کا بنیادی مقصد یہی رہا ہے کہ مسلمانوں کی نظریں اسلامی معاشرے اور اسلامی کردار سے بھٹک جائیں۔ اسلامی زندگی کی مختلف سطحیں ہیں، کیونکہ انسانی معاشرہ مختلف صلاحیتوں اور ظرف رکھنے والوں کا مجموعہ ہوتا ہے، یہاں یہ بات واضح کر دی جائے کہ اسلام محض قواعد وضوابط کا نام نہیں، بلکہ اسلام کی بنیاد محکم اللہ کی محبت اور رسول ﷺ کا اتباع ہے، اسی بنیاد پر معاشرے میں اولیاء اللہ، صاحبان امر، متقی، ضابطے کے مسلمان اور گناہ گاروں کے مختلف گروہ وجود میں آئے۔ اسی مرحلے پر اسلامی تصوف کی نشونما ہوئی۔

اسلامی معاشرہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (۴) کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، مگر اس کے اندرونی نمو کا تقاضا ہے کہ بات ضابطوں تک محدود نہ رہے، بلکہ معاشرے کے افراد میں تزکیہ، حسن سلوک اور احسان کی صفات پیدا ہوں، یہی اسلامی تصوف کی بنیاد ہے، عدل اسلام کا عمومی قانون ہے، اور احسان اولوالفضل کی (۵) پہچان ہے۔ یوں اسلامی معاشرے میں افراد اور جماعت کی اخلاقی نشوونما ایک نامیاتی حقیقت ہے، اور یہی تصوف کا مقصود ہے، تصوف مجموعی طور پر اسلام کی زمین میں اجنبی پودا نہیں ہے، اگرچہ تصوف کے بعض دبستانوں میں غیر اسلامی عناصر موجود ہیں، لیکن اسلامی تصوف کی بنیاد یہی دو سرچشمے ہیں، قرآن کریم اور سنت رسول اکرم ﷺ نبی کریم ﷺ کے گرد جو مقدس جماعت جمع

تھی، اس کے افراد کی صلاحیتیں مختلف تھیں، ان کے مسائل میں اشتراک کے باوجود اختلاف تھا، ہمیں بہت ساری حدیثیں اس مضمون کی نظر آتی ہیں کہ کونسا عمل سب سے زیادہ افضل ہے،؟ سرکار دو عالم ﷺ نے کبھی حج کو افضل ترین عبادت قرار دیا، کبھی جہاد کو، کبھی والدین کی خدمت کو، مثال کے طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا

افضل الاعمال الصلاۃ لوقتھا و بر الوالدین۔ (۶)

افضل ترین اعمال میں سے نماز کو اس کے وقت میں ادا کرنا اور والدین سے حسن سلوک ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب پوچھا کہ **ای العمل احب الی اللہ** کہ اللہ کے ہاں کونسا عمل زیادہ محبوب ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا

ادومہ و ان قل۔ (۷)

وہ عمل جو دوام کے ساتھ ہو، اگرچہ قلیل ہو۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کسی سائل نے آپ ﷺ سے یہی سوال پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ایمان باللہ و رسولہ، قیل ثم ماذا ؟ قال الجھاد فی سبیل اللہ قیل ثم ماذا ؟قال حج مبرور۔ (۸)

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، سوال ہوا کہ پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا، سائل نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا حج مقبول۔

اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کے اس سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حج کے موقع پر تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا اور قربانی کرنا یہ افضل ترین اعمال ہیں (۹)۔ جب کہ ایک روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے یہی سوال پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کا قرآن شریف اس طرح پڑھنا کہ ایک بار ختم کرتے ہی دوبارہ شروع کر دینا، اور پھر جب اختتام پر پہنچنا تو پھر سے آغاز کر دینا (۱۰)۔ اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ جب آپ ﷺ سے یہی سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

طول القیام۔ (۱۱)

طویل قیام کرنا۔

اگر ذرا سا غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضور ﷺ نے افضل ترین عمل کی نشان دہی سوال کرنے والے کی ذات کے حوالے سے کی۔ جس میں آپ ﷺ نے بخل کی کمزوری پائی اس سے انفاق فی سبیل اللہ کی افضلیت بیان فرمائی، جس میں وجبن دیکھا اسے جہاد فی سبیل اللہ کی تلقین کی، اسی طرح دوسرے اعمال کا معاملہ ہے، وہ صداقت ہو یا امانت یا حیا، حیا کی حدود بہت وسیع ہیں، بندوں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی حیا کو سامنے رکھیے، تو حیا کی حدود کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر بندے سے اللہ کی حیا کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے گناہ گار بندوں کو جب کسی برائی میں مبتلا دیکھتا ہے تو وہ ان کو پکڑتا نہیں، اسی طرح جو کوئی اس کے سامنے خیر اور بھلائی کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسے بھی وہ خالی نہیں لوٹاتا۔ (۱/۱۱)

نبی ﷺ کی اس میراث رشد و ہدایت کے دو جانشین، تاریخی ارتقا کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے آئے، ایک تو علمائے کرام، دوسرے اولیائے عظام، قرآن حکیم نے خشیت الٰہی کی ایک بنیاد علم کو قرار دیا، فرمایا

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓءُ۔ (۱۲)

بلاشبہ اللہ سے اس کے بندوں میں سے اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔

اولیاء اللہ ہمارے دور میں ایک الگ گروہ بن گئے، لیکن اسلامی تاریخ کے عہد عروج میں علماء اور اولیاء میں یہ تفریق نہیں تھی، تزکیۂ باطن کے گوں ناگوں سوالات حضرت امام غزالی کو علم کی مجلسوں سے تزکیۂ باطن تک لے گئے، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہ ترقی اور ارتقائے ذات کے محض مرحلے ہیں، یہ تصوف ہی تھا جس نے امام غزالی کو اس عہد پر آمادہ کیا کہ میں بادشاہوں کی مجلسوں میں نہیں جاؤں گا اور بحث وجدال کے خارزاروں میں نہیں الجھوں گا، صوفی کا کوئی تصور علم کے بغیر نہیں کیا جا سکتا، تصوف اس کے رجحان طبع کا دوسرا نام تھا، علما مجالس ارشاد میں لوگوں کی تربیت فرماتے، اور صوفی اپنی خانقاہوں، اپنے زاویوں اور اپنے حجروں میں لوگوں کے کرداروں میں احسان کا رنگ بھرتے۔

ہمارے عہد میں ان دونوں کے درمیان فاصلے پیدا ہونے لگے اور ارباب شریعت اور ارباب طریقت کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا، حالانکہ اتباع شریعت کی وہ منزل ہی اسلام اور طریقت ہے،

جب آدمی کی روح، ذات اور شخصیت اس کے تحت آ جائے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے، ہمارے دور میں ہماری خوش قسمتی سے ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے طریقت اور شریعت کے اس رشتے کے ادراک کو عام کیا، اور جنہوں نے اپنے علم کے ساتھ ساتھ اپنی ریاضتوں اور اسلوب حیات کو لوگوں کی ہدایت کے لیے نمونہ بنایا، ان میں حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ علیہ الرحمہ بھی شامل ہیں، حضرت شاہ صاحب کو تصوف کے چاروں سلسلوں سے اجازت بھی حاصل تھی، لیکن ہم انہیں بنیادی طور پر طریقِ نقشبندیہ کا بزرگ کہیں گے، یہاں پر ایک اور فرق بھی ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ اہل سنت والجماعت چاروں ائمہ فقہ کو حق جانتے ہوئے بھی اس توسع کا ثبوت نہیں دیتے جو اس عقیدے کا عملی نتیجہ ہونا چاہیے، لیکن اہل تصوف کے ہاں زیادہ توسع ہے، حضرت شاہ صاحب صوفیا کی اس عظیم روایت کا حصہ ہیں اور جن کے عمل اور فکر کے موتی ان کے وصال کے بعد بھی چمک رہے ہیں۔

حضرت شیخ اجمیری کی کشف المحجوب اور حضرت نظام الدین اولیا کی فوائد الفواد کے سلسلے کی ایک زندہ کڑی عمدۃ السلوک بھی ہے، شاہ صاحب کی اس کتاب کا نام تصوف اور تزکیہ و احسان کی بنیادوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، زندگی کی یہی عمدگی تصوف کا خلاصہ ہے، یہ کتاب ان کتابوں میں سے ہے، جن کے بارے میں میں نے اکثر عرض کیا ہے کہ بعض کتابیں ہم سے گفتگو کرتی ہیں، شاہ صاحب کے بعد ان کی کتاب طالبان حق کے لیے ان کی نیابت کر رہی ہے، عمدۃ السلوک سے یہ نکتہ بھی ابھر کر ہمارے سامنے آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا طرز حیات ہی ہمارا مرشد ہے، شاہ صاحب اپنے عقیدت مندوں اور اپنے قارئین کو اسی قربت رسول اور اتباع رسول کی تعلیم دیتے ہیں، اور وہ مختلف ریاضتوں اور عبادتوں کا مقصد اسی قربت کے حصول کو قرار دیتے ہیں، یہاں پر اس نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ صوفیا مختلف عبادتوں کے ساتھ ساتھ وظائف اور کبھی کبھی ان کی مخصوص شکلوں کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ اس سبب تک رسائی چنداں مشکل نہیں، صحابہ کرام کے سامنے منبع رشد و ہدایت رسول اللہ ﷺ موجود تھے، ان کی صحبت تمام ریاضتوں اور طریقوں سے افضل تر اور بالاتر تھی، یہ ایسی فضیلت ہے کہ کوئی دوسری فضیلت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ہدایت کے ستارے ہیں، (۱۳) جن سے وابستگی آدمی کو ضلالت و گمراہی سے دور رکھتی ہے، از روئے قرآن صحابہ کرام معیار ایمان ہیں، یہ جو قرآن نے کہا ہے کہ آمِنُوْا کَمَا اٰمَنَ النَّاس (۱۴) یہاں ناس سے مراد صحابہ کرام کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟ اور اسی لیے تو مقام صدیقیت نبوت کے بعد بلند ترین مقام ہے، اور مقام صدیقیت معیت رسول میں

اختصاص کا دوسرا نام ہے، شاید اسی لئے نقشبندی سلسلے کا اہم ترین واسطہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات ہے، پھر اسی مقام صدیقیت سے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (۱۵) کے اطلاقی پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔

تصوف اس مقام تک ہمیں لے جاتا ہے جو حزن وضعف سے بالاتر ہو، اور اس کے لئے آدمی کو ذات رسول کریم ﷺ سے وابستگی حاصل کرنی پڑتی ہے، شاہ صاحب نے مراقبہ حقیقت محمدی کے تحت عمدۃ السلوک کے حصہ دوم میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ حقیقۃ الحقائق اور تعین اول واضح ترین الفاظ میں اور عملی طور پر اس اتحاد خاص کا نام ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہو جائے، یہی وہ منزل ہے جہاں فنا و بقا کے مراحل طے ہوتے ہیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> اس مقدس مقام میں خاص طرز پر فنا و بقا حاصل ہوتی ہے اور سرور دین و دنیا ﷺ کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتحاد میسر ہو جاتا ہے، اور رفع توسط جس کے اکابر اولیاؒ قائل ہوئے ہیں کے معنی اس مقام میں ظاہر ہوتے ہیں اور تابع (سالک) متبوع (آنحضرت ﷺ) کے رنگ میں ایسی مشابہت پیدا کر لیتا ہے گویا کہ ہر دو ایک ہی چشمے سے پانی پیتے ہیں۔(۱۶)

یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت مجدد الف ثانی کے اس قول کا مفہوم حقیقت بن کر سامنے آتا ہے:

> میں خدائے عزوجل کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے۔(۱۷)

حضور ﷺ سے یہ اتحاد ہی تمام اسرار و رموز کا جامع ہے، اس منزل پر پہنچنے سے پہلے انسان اس تفریق کا شکار رہا ہے کہ میں دین کے ہر معاملے میں راہ مصطفی ﷺ پر چلوں گا، لیکن دنیاوی امور دائرہ سنت میں شامل نہیں، اس سلسلے میں جو لوگ بہت سارے واقعات اور مثالیں پیش کرتے ہیں، مثلاً مدینہ میں کھجور کی کاشت کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد اور اگلے سال اس سے رجوع فرما لینا، حقیقت محمدی کی منزل پر پہنچ کر انسان ''ان جزوی وکلی، دینی و دنیاوی امور میں حبیب خدا ﷺ کے ساتھ مناسبت و مشابہت ہونے کو بہت ہی دوست رکھتا ہے''۔(۱۸)

حُب رسول ﷺ میں دین و دنیا کی تفریق مٹ جاتی ہے، اور اس ثنویت کو ختم کرنا ہی ایمان اور مومن کی اعلیٰ ترین منزل ہے، اس منزل پر پہنچ کر سالک حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے، شمائل اور روزانہ زندگی کی مصروفیات اور مشغولیات کے سلسلے میں سنت کی تلاش اس کا مقصود حیات ٹھہرتی ہے، شاہ صاحب نے اس مرحلے میں درود شریف کی کثرت کا ذکر کیا ہے(۱۹)، یوں درود ایک عمل یا وظیفہ نہیں رہتا

بلکہ روح کا ایک داعیہ بن کر آدمی کا طرز حیات بن جاتا ہے۔

تینتیسویں سبق میں شاہ صاحب نے اسم احمد کی معنویت کی طرف اشارے کیے ہیں، (۲۰) مگر اس سبق کے نکات کا تعلق علم سے اتنا نہیں جتنا ذاتی تجربے سے ہے، یوں یہ بات ہم پر واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قربت اور اتحاد انسان پر بلند ترین مقامات کے دروازے کھولتا چلا جاتا ہے، یوں تصوف انسان پر نفس کے حقوق و فرائض کی ماہیت اور نوعیت کو واضح کر دیتا ہے۔

مقالات زوار یہ سات ابواب پر مشتمل ہے، پہلا حصہ قرآن کی تعلیمات پر مشتمل ہے، لیکن اس حصے میں احادیث نبوی ﷺ کا حوالہ بیشتر مقامات پر ملتا ہے، مثلاً ''افضیلت کا قرآنی معیار'' کے تحت تقوے کو پیش کیا گیا ہے، تصوف کے لئے ایک شرط جسے شاہ صاحب نے حضور ﷺ کے حوالے سے پیش کیا ہے، وہ یہ کہ تقویٰ کبر و فخر کو دور کئے بغیر نہیں پیدا ہوسکتا، شاہ صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے خطبۂ فتح مکہ کی ایک روایت کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے جاہلیت کے فخر و تکبر کو تم سے دور کر دیا، اب انسانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک و متقی اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شریف و باعزت ہے، دوسرا فاجر بد بخت اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و حقیر ہے، اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ فضیلت والا شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ (۲۱)

جس آیت کی طرف اشاہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے،

> يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۲۲)

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ تقوے اور خیر کے بہت سے مدارج ہیں، یہاں شاہ صاحب نے اسی نکتے کی وضاحت فرمائی ہے۔

> تقویٰ کی تشریح یہ ہے کہ اس کے بہت سے مدارج ہیں، عام تقسیم کے مطابق ادنیٰ درجہ کا متقی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر اور قدر خیر و شر پر اور یوم آخرت اور مرنے کے بعد قیامت کے روز اٹھائے

جانے پر ایمان لایا اور اس نے اپنے آپ کو شرک سے بچایا۔ اوسط درجہ کا متقی وہ ہے جو اعمال صالحہ کرتا اور گناہوں سے بچتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا متقی وہ ہے جو لایعنی امور میں مشغول ہونے سے بچتا اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ: یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ(۲۳) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، یہی اعلیٰ درجے کا تقویٰ مراد ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ(۲۴) اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (۲۵) اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو دوست رکھتا ہے۔ ان دونوں آیتوں کی مطابقت سے معلوم ہوا کہ ہر مومن اللہ کا ولی ہے اور ہر مومن متقی ہے۔ یہ تو ولایت اور تقویٰ کا ادنیٰ درجہ ہوا، اور ان کا اعلیٰ درجہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو حاصل ہے اور ان میں بھی سب سے اعلیٰ درجہ سرور کائنات فخر موجودات خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ سائر الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلھم و اصحابھم اجمعین کو حاصل ہے اور آپ ﷺ کے طفیل سے تمام صحابہ کرام واہل بیت عظام اور خاص الخاص اولیائے کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حاصل ہے۔ پھر ان کے بعد تقویٰ اور ولایت کا اوسط درجہ دوسرے اولیائے امت کو حاصل ہے اور ادنیٰ درجہ تو ہر مومن کو حاصل ہے۔(۲۶)

مقالات زواریہ کا دوسرا باب ایمان اور اسلام ہے، ''اتباع شریعت'' کے تحت شاہ صاحب اس نکتے کی وضاحت فرماتے ہیں کہ ایمان کا مفہوم آپ ﷺ کی اطاعت ہے، کیونکہ محبت ایک مخفی جز ہے، اور اس کا اظہار اطاعت کے درجے سے ہی ہوسکتا ہے، محبت جتنی قوی ہوگی، اطاعت اسی قدر زیادہ ہوگی، قرآن حکیم نے اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ بھی حضور ﷺ کی محبت کو قرار دیا، اور یہ بات بھی واضح کردی ہے کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ.(۲۷) شاہ صاحب کے الفاظ میں:

اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسول کو اپنی محبت کا مدار قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر دنیا میں کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ ہو تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے

آپ کو رسول اللہ ﷺ کے اتباع کی کسوٹی پر آزما کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا، جو شخص اپنے دعوے میں جتنا سچا ہو گا وہ حضور اکرم ﷺ کے اتباع کا اتنا ہی زیادہ اہتمام کرے گا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کو مشعل راہ بنائے گا۔(۲۸)

مقالات زواریہ کا تیسرا باب ہے احکام دین، اس کے تحت شاہ صاحب نے نماز، روزے، حج کو شامل کیا ہے، احکام دین کے تحت انہوں نے صرف عبادت کو ہی نہیں بلکہ اوامر، سنن و مستحبات اور نواہی کو بھی شامل کیا ہے، احکام دین صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ اس میں معاشرتی زندگی بھی شامل ہے، اس توسع اور وسعت کا سبب سیرت رسول ﷺ اور تصوف کے عملی پہلو ہیں، شاہ صاحب نے جمعۃ المبارک، تعاون علی البر، خدمت خلق، فضائل صدقہ اور شہادت کو بھی اس باب میں شامل کیا ہے، دوسری طرف منکرات، ظلم، فرقہ بندی، رشوت، جھوٹی قسم اور ان کے اثرات و مضمرات سے متنبہ کیا ہے، چونکہ سنت اور اتباع رسول ﷺ ان کے ہمیشہ پیش نظر رہی اس لئے انہوں نے سونے اور جاگنے کے آداب کو بھی شامل باب کیا ہے، زکوۃ کا نام تو اس باب میں نہیں ہے لیکن خدمت خلق، محتاجوں کی امداد اور فضائل صدقہ کے عنوانات کے تحت شاہ صاحب نے انفاق فی سبیل اللہ کے مختلف گوشوں کو منور فرمایا ہے، اور اس میں بھی سنت رسول اور احادیث کو پیش کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے جو اقتصادی نظام انسانیت کو دیا ہے، اس کی روح کو شاہ صاحب نے ایک جملے میں پیش کر دیا ہے فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک ایسا معاشرتی نظام پیش فرمایا ہے کہ اس عالم اسباب میں بندے آپس میں ایک دوسرے کی روزی اور معاش کا ذریعہ بنتے ہیں۔(۲۹)

شاہ صاحب کے ذہن میں اسلام کے معاشی خدوخال بہت واضح ہیں، یہ وضاحت سنت نبی ﷺ سے ہوتی ہے، غور فرمایئے تو معاشیات اور اقتصادیات کی اصطلاحوں سے بھی اسلام کی وسعت اور عربی زبان کی توانائی کا اندازہ ہوتا ہے، معاشیات ایک عمومی اصطلاح ہے اور اقتصادیات کی اصطلاح اسلام کے معاشی نظام کو بہتر انداز میں پیش کرتی ہے، کیونکہ اقتصادیات میں میانہ روی کا پہلو موجود ہے، شاہ صاحب نے حدیث کی روشنی میں اسلام کے اقتصادی نظام کے ایسے پہلوؤں کو پیش کیا ہے جو عام طور پر دانستہ یا نادانستہ نگاہوں سے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں، شاہ صاحب کی وضاحتیں نہایت خوبی سے اس

بات کو واضح کر دیتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اتباع کے بغیر اسلام کے معاشی نظام کو نہیں پرکھا جا سکتا، یہ چند بندھے ٹکے ضابطوں کا نام نہیں، اس کا گہرا تعلق معاشرے کے احوال وکوائف اور اس کی اقتصادی صورت حال سے ہے، اسلام میں صدقات وخیرات محض امیروں کے فیاضانہ سلوک تک محدود نہیں، بلکہ اسلام نے غریبوں کو صاحبان ثروت کی آمدنی کا حقدار قرار دیا ہے، اور یہ حق بھی کیسا؟ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔(۳۰) شاہ صاحب فرماتے ہیں:

خوشحال لوگوں کے مال ومتاع میں اللہ تعالیٰ نے ان غریبوں اور ناتوانوں کا حصہ رکھا ہے اور ان کے لئے اس کو سعادت وثواب کا ذریعہ بنایا ہے اور جو لوگ ان اموال میں سے ان کا حصہ نہیں نکالتے ان کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے مفر نہیں اور آخرت میں بھی ان سے اس کی باز پرس ہوگی اور سزا ملے گی۔ ایک حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اچانک ایک شخص سواری پر سوار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کا یہ حال تھا کہ کبھی دائیں طرف جاتا اور کبھی بائیں طرف مڑتا یعنی وہ اپنی سواری کے نا کارہ ہو جانے کی وجہ سے پریشان تھا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا جس کے پاس فالتو سواری ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس سرے سے سواری ہی نہ ہو۔ اور جس کے پاس فالتو زادراہ ہو وہ اسے دے دے راوی کہتے ہیں کہ اس طرح آپ ﷺ نے مال کی کئی قسمیں بیان فرمائیں یہاں تک ہم نے خیال کیا کہ فالتو چیزوں میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ جنگ کا موقع تھا۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے ہنگامی حالات میں امیر وقت کو شرعاً یہ اجازت ہے کہ وہ خوشحال لوگوں سے فالتو چیزیں لے کر بے سروسامان مستحقین میں تقسیم کر سکتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص میری امت میں سے کسی کی کوئی دینی یا دنیوی حاجت پوری کرے اور اس حاجت روائی کے ذریعے اس کو خوش کرنا چاہتا ہے تو بے شک اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا تو

اللہ تعالیٰ اس کو بہشت میں داخل فرمائے گا۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا
کہ امت کی خوشی سے رسول اللہ ﷺ خوش ہوتے ہیں اور آپ کی خوشی اللہ
تعالیٰ کی خوشی کا باعث ہے اور جب اللہ تعالیٰ خوش ہو گیا تو ضرور اس شخص کو جنت
میں داخل فرمائے گا۔ (۳۱)

احکام دین میں احکام کے ساتھ ساتھ محبت اور وابستگی رسول کے مقامات مومن کے گریہ شب گاہی کے آنسوؤں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں، حج وعمرے کے سلسلے میں شاہ صاحب نے فضائل مدینہ منورہ کو ایک مستقل موضوع کے طور پر پیش فرمایا ہے، اور اسی سلسلے میں مسجد نبوی کے تبرکات، مسجد قبا، زیارت بدر پر بھی روشنی ڈالی ہے، شاہ صاحب نے اس باب میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے اطراف وجوانب کو واضح فرمایا ہے، اور یوں بنی اسرائیل کی اس آیت کے معانی واضح ہو جاتے ہیں کہ: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ۔ (۳۲)

تمام مفاہیم کا احاطہ کرنے کی کوشش میں شاہ صاحب نے تسبیح کی مختلف صورتوں کو پیش کیا ہے، مثلاً تسبیح دو قسم کی ہے، تکوینی اور اختیاری، کائنات کی ہر چیز کا تسبیح پڑھنا تکوینی بات ہے، پھر یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تسبیح حالی نہیں مقالی بھی ہوتی ہے، مسئلہ تسبیح سے حیات وکائنات کی ایک عظیم حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے، جس کی جدید ترین سائنسی انکشافات نے تصدیق کی ہے، وہ یہ کہ کائنات کی بیشتر اشیا شعور وفہم رکھتی ہیں، حالانکہ اس شعور وفہم کے مظاہر اور مقامات ہمارے سامنے نہیں آتے، نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی گواہی شجر وحجر نے دی، یہ سب مقامات سرور کائنات ﷺ کی ذات کے طفیل انسانوں کے مشاہدات میں آئے۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں:

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا میں مکہ مکرمہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت ونبوت سے
پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔ بعض حضرات نے
کہا کہ اس سے مراد حجر اسود ہے، واللہ اعلم۔ اس قسم کی روایت کہ جن سے بے
جان چیزوں میں ادراک وشعور کا پایا جانا ثابت ہے بکثرت ہیں۔ اسطوانہ حنانہ
کا واقعہ تو سب مسلمانوں میں زبان زد ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو
چھوڑ کر منبر پر خطبہ دینا شروع فرمایا تو اس نے بچے کی طرح بلک بلک کر رونا

شروع کر دیا اور اس کا رونا اس وقت کے حاضرین سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سنا اور جب آپ ﷺ نے منبر سے اتر کر اس کو اپنے ساتھ لپٹایا اور جنت کی بشارت دی تب وہ خاموش ہوا۔ ان روایات سے بے جان چیزوں کا بولنا اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا، ذکر کرنا، کلمہ شہادت پڑھنا، سلام کرنا وغیرہ ثابت ہے۔(۳۳)

چوتھا باب تجارت و معیشت کے متعلق ہے، مسلمان کی زندگی میں تجارت کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگایئے کہ حصول رزق حلال کو فریضۃ بعد الفریضۃ (۳۴) قرار دیا گیا ہے، اور جب صورت حال یہ ہو تو سیرت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے اس کا تعلق خود بخود واضح ہو جاتا ہے، پھر اس نقطہ نظر سے بھی غور فرمایئے کہ تجارتی اصطلاح کے ذریعے یہ حقیقت واضح کی گئی کہ،

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃ۔(۳۵)

بلاشبہ اللہ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔

یہ خیال عام ہے کہ صوفیا نے زندگی کے مسائل پر توجہ نہیں دی۔ لیکن حقیقی اہل تصوف کی طرح شاہ صاحب اسے زندگی کا ایک اہم شعبہ قرار دیتے ہیں۔ معاد اور معاش کو الگ نہیں کیا جا سکتا، لیکن تصوف اس حقیقت پر زور دیتا ہے کہ تلاش رزق میں گم ہو کر نہ رہ جاؤ۔ اقبال نے اس حقیقت کا کیسا خوبصورت اظہار کیا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مرشد رومی کے الفاظ میں:

نئے قماش و نقرہ و فرزند و زن
چیست دنیا از خدا غافل بدن

شاہ صاحب اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ الکاسب حبیب اللہ یہ مقولہ منشائے نبوی کا عوامی سطح پر اظہار ہے، شاہ صاحب نے تصوف کے اس بنیادی نکتے کو اپنے سامنے رکھا ہے کہ فرد میں گداگری نہ پیدا ہو، شاہ صاحب کی نظر میں الفقر فقری کا حقیقی مفہوم واضح ہے، اور وہ اس کی تبلیغ کرتے ہیں، فقر نبی ﷺ معاذ اللہ، گداگری یا ترک دنیا کا نام نہیں، جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے، فقر نبی دنیا سے

مومن کی بے نیازی کا نام ہے، اس فقر کی جھلک کھجور کے درخت کے نیچے ایک اینٹ کو تکیہ بنا کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی استراحت سے یا پھر نان شبینہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہودی کے باغ میں کام کرنے سے ہے، حضرت شاہ صاحب ہاتھ سے کام کرنے کے بعد تجارت کو ذریعہ حصول رزق کے طور پر ترجیح دیتے ہیں، اور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ان کی اس ترجیح کی بنیاد ہے کہ رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں (۳۶) اس منزل پر شاہ صاحب کے ہاں صوفی اور فقیہہ کا سنگم ملتا ہے، اور وہ تجارت اور حصول معاش کے ذرائع اور طریقوں کو قرآن حکیم اور حدیث نبوی کی روشنی میں پیش کرتے ہیں، اس سلسلے میں شاہ صاحب نے کثرت سے احادیث کا حوالہ دیا ہے، شاہ صاحب نے مقالات زواریہ میں ہر مسئلے میں قرآن حکیم کی آیات کے ساتھ ساتھ احادیث نبوی کے حوالے دیئے ہیں، جس سے قرآن و حدیث کی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ

وَ مَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحیٰ۔ (۳۷)

اور آپ (ﷺ) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، یہ تو وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اقتباس سے ہماری معروضات کی وضاحت ہو جائے گی،

جن رہنما اصولوں کی طرف شریعت اسلامیہ نے رہنمائی فرمائی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ناپ تول میں صحیح معیار قائم رکھو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (۳۸) ''اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو''۔ یعنی کسی کا حق اپنے پاس نہ رہنے پائے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (۳۹) ''اور جب تم ناپ کر دو، تو پورا ناپو اور وزن کرتے وقت صحیح ترازو سے تول کر دو''۔ ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ (۴۰) ''ان لوگوں کے لئے درد ناک عذاب ہے جو ناپ تول میں کمی کرنے والے ہیں کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو

کم ناپتے اور تولتے ہیں''۔ مال میں کھوٹ ملانے اور دغا وفریب کرنے سے بھی منع فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ لوگوں کی چیزوں میں نقصان مت کرو یعنی جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا منع ہے ملاوٹ کے ذریعہ دوسروں کو نقصان پہنچانا بھی منع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مال بیچنے کے لئے زیادہ قسمیں کھانے سے بچو کیوں کہ بے شک زیادہ قسمیں کھانے سے اس وقت تو خوب بکری ہو جاتی ہے لیکن انجام کار وہ برکت کو کھو دیتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جس شخص کو زیادہ قسمیں کھانے کی عادت ہو جاتی ہے اس سے جھوٹی قسمیں سرزد ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے اس کی کمائی میں برکت نہیں رہتی یا مال ضائع ہو جاتا ہے یا بے جا خرچ ہو جاتا ہے اور آخرت کا ثواب تو کم ہو ہی جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جھوٹی قسم کے ذریعہ مال بیچنے والے تاجر سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کلام نہیں کرے گا، اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اس کے گناہوں کو معاف نہیں فرمائے گا اور اس کے لئے درد ناک عذاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے تاجروں کی جماعت! خرید وفروخت میں اکثر بے فائدہ باتیں ہو جاتیں ہیں اور زیادہ قسمیں پیش آجاتی ہیں اس لئے تجارت کے ساتھ صدقہ کو ملاؤ، یعنی صدقہ سے اس کثافت کا کفارہ ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دور ہو جائے گی۔ (۴۱)

باب پنجم اخلاق وحقوق کے متعلق ہے، نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے اس باب کی وابستگی قرآن حکیم کی اس آیت سے ہمارے سامنے آجاتی ہے، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۴۲)، یا سرکار دوعالم کے اس قول سے کہ بعثت لاتمم حسن الاخلاق (۴۳) اخلاق حسنہ کے بعد شاہ صاحب نے حسن خلق کا ذکر کیا ہے اور حسن خلق کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگا یئے کہ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق کہ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (۴۴)، یا حدیث نبوی کے مطابق حسن اخلاق کی تکمیل مقصد بعثت نبوی ہے، مقصد بعثت نبوی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اخلاق کی تکمیل ایمان کی تکمیل ہے، حسن اخلاق کو اپنانے والے کے لئے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ شب زندہ داروں میں شامل کر لیتا ہے، اور ان میں جو جو ہمیشہ روزے سے رہتے ہیں، حضرت شاہ صاحب حسن خلق کے سلسلے میں

حضرت عائشہ سے مروی حدیث اور حضرت معاذ بن جبل کو وصیت نبوی کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا اور دن کو روزہ رکھتا ہو، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل مقرر کر کے بھیجا تو وہ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے اس وقت جب کہ میں اپنا ایک پاؤں رکاب میں رکھ چکا تھا آخری وصیت یہ فرمائی کہ اے معاذ! لوگوں سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنا۔ اس کو امام مالک نے روایت کیا ہے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا تو اس وقت ان کو بہت سی نصیحتیں کی تھیں اور ان کو سوار کرایا اور پیادہ پا ان کے ساتھ کچھ دور تشریف لے گئے تھے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید تو مجھ کو پھر نہ دیکھے۔ چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے جانے کے کچھ عرصے بعد آپ ﷺ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ اس لحاظ سے بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی آخری وصیت تھی۔ علامہ سیوطی نے فرمایا کہ اس حدیث میں لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حسن خلق اور نرمی کے مستحق ہیں۔ (۴۵)

اخلاقیات کے سلسلے میں شاہ صاحب نے امانت دیانت، ایفائے عہد، حلم، بردباری، نرم دلی، غصے کو ضبط کرنا، معافی اور حفظ لسان کے علاوہ سادگی، حیا، اعتدال، احترام، شفقت سے الگ الگ بحثیں کی ہیں، ایک مقالے کا عنوان ہے ''خواہشات کی تہذیب'' تہذیب کی شاید سب سے جامع تعریف یہی ہے کہ وہ پابندیاں جو معاشرتی زندگی کی خاطر انسان اپنے اوپر عائد کرے، اور یوں معاشرتی زندگی کے تمام آداب اس کے تحت آجاتے ہیں، ان پابندیوں کا تعلق دل کی تربیت سے ہے، اور اسی پس منظر میں نبی اکرم ﷺ کے اس قول کی جامعیت سمجھ میں آسکتی ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ نیک و درست ہو جائے تو تمام بدن نیک و درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے، آگاہ رہو کہ وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔ (۴۶)

دل کی اصلاح کے لئے ذکر الٰہی سب سے مؤثر ذریعہ ہے، اور ذکر کو عبادت و ریاضت سے

استحکام ملتا ہے، شاہ صاحب کا تصوف اس ذات گرامی کے مکمل اتباع سے عبارت ہے، جس نے خلوت حرا اور میدان کارزار کو ایک کر دیا، جس کی خلوت گزینی نے ایک قوم کی تشکیل کو ممکن بنایا، اور جس کی تنہائیوں نے انسانیت کو مکمل دستور عطا کیا، یوں شاہ صاحب کا تصوف ذکر الٰہی بھی ہے اور معرکۂ حیات بھی، ان کا تصوف ان اکابر کے انداز زیست کا جانشین ہے، جنہوں نے مغلوں کے دور آخر میں مجموعی طور پر مسلمانوں کو اخلاقی بحران میں مبتلا ہونے سے بچا لیا، مرزا مظہر جان جاناں اور دوسرے بزرگوں کی خانقاہیں وہ جگہیں تھیں جہاں نوجوانوں کے دل و دماغ کے وحشی گوشوں کو تراش کر مہذب بنایا جاتا تھا۔

شاہ صاحب نے اخلاق و حقوق کے تحت عورتوں کے حقوق پر بھی زور دیا ہے، آج حقوق نسواں کے نام پر کتنے ہی فکری فسادوں نے سر اٹھایا ہے، اور بہت سی مغرب پرست خواتین اسلام کے واضح احکام کی من مانی تاویلیں کر رہی ہیں۔ شاہ صاحب کا تصوف مجہول گوشہ نشینی نہیں ہے، بلکہ وہ سنت نبوی کا تتبع کرتے ہوئے معاشرتی زندگی کو ناہمواریوں سے بچاتا ہے، شاہ صاحب اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> اسلام نے ظاہر ہوتے ہی عورتوں کو ایسے مساوی حقوق عطا فرمائے جو کسی مذہب اور کسی قوم نے نہیں دیئے تھے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں مرد و عورت کے حقوق پر کثرت سے احکام وارد ہوئے ہیں اور تمام احکام میں مرد و زن کو یکساں طور پر مخاطب فرمایا ہے، اور ان چند احکام و فرائض کے سوا جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور کسی حکم میں مرد و عورت میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴۷) ''تم عورتوں کیساتھ نیک سلوک کی زندگی بسر کرو''۔ حدیث شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کی عزت وہی شخص کرتا ہے جو شریف النفس ہوتا ہے اور ان کی توہین وہی شخص کرتا ہے جو کمینہ ہوتا ہے۔ (۴۸)

رسول اللہ ﷺ کی سیرت شاہ صاحب کی تحریر کے بدن میں خون کی طرح دوڑ رہی ہے، ان تمام مباحث و مسائل کے بعد شاہ صاحب نے تصوف و سلوک کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں وضاحتی تحریریں پیش کی ہیں۔

تصوف و سلوک کے تحت آپ نے رضائے الٰہی، لطائف خمسہ، توکل اور صبر، شکر جیسے موضوعات کے عملی پہلوؤں کو سنت رسول ﷺ کی روشنی میں پیش فرمایا ہے اور اس باب کے فوراً بعد سیرت

وسوانح کے عنوان سے نبی اکرم ﷺ کی سیرت کو شاہ صاحب نے پیش کیا ہے، اسی حصے میں بعد کے ادوار کے کچھ اور بزرگوں کا بھی تذکرہ ہے، ہم اپنے آپ کو سیرت نبوی تک محدود رکھتے ہیں، اس ترتیب کی معنویت یہ ہے کہ تمام مباحث اور نکات کی عملی وضاحت سیرت ہی کے ذریعے ممکن ہے، شاہ صاحب واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ تصوف احسان کا دوسرا نام ہے، سیرت انبیاء اور خاص طور پر سیرت ختم المرسلین ﷺ وحدت آدم کی ضمانت ہے، اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور ان کے انبیاء کے ساتھ کتاب بھی نازل کی، نبیوں کے ساتھ قرآن مجید میں ایک مقام پر کتاب کو واحد کے صیغے میں پیش فرمایا ہے:

وَاَنۡزَلَ مَعَهُمُ الۡكِتَابَ بِالۡحَقِّ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ فِيۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ؕ ۔ (۴۹)

اور ان کے درمیان سچی کتاب بھی نازل کی تا کہ اللہ تعالیٰ اختلافی باتوں میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔

کتاب کو واحد کے صیغے میں پیش کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ وحی الٰہی کے ایک ہونے کو واضح کیا جا سکے اور یہی ایک بات مستشرقین کی تمام ہرزہ سرائیوں کا جواب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب قرآن حکیم صحف اولیٰ سے اخذ کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ ان کتابوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور اسی لئے ان میں اتحاد معانی موجود ہے، توریت وانجیل کو مسخ کرنے والے بھی قرآن حکیم کی چمک پر غالب نہ آ سکے، جو وحی الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تحفظ کو اپنے ذمے لیا ہے، پندرہ صدیاں اس کی صداقت پر گواہ ہیں، خود اسلام کے بدترین دشمن اس کی شہادت دیتے ہیں، ان شہادتوں میں سب سے قوی شہادت سیرت رسول اللہ ﷺ ہے، قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے کی سب سے قوی شہادت بھی حضور کی ذات اور سیرت ہے۔

اللہ کے رسول کی سیرت کو اسوۂ حسنہ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرما دی کہ یہ اسی کے لئے اسوۂ حسنہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور اللہ سے آخرت کے دن ملنے کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو، حضور ﷺ کی سیرت کا دائرہ اس دنیا میں انسانی زندگی سے لے کر یوم آخرت تک پھیلا ہوا ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے آدمی کا تعلق اس کے عمل کے ذریعے سامنے آتا ہے، شاہ صاحب نے اس آیت مبارکہ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ (۵۰) کے حوالے سے فرمایا ہے۔

یہ آیت مبارکہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آنحضور ﷺ تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ، ہمدرد اور غم گسار تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے، یہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی آسمانی شہادتیں ہیں، آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، ایمان، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، صدقہ، خیرات، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، سخاوت، شجاعت، عفت، صداقت، حلم، عدالت، تسلیم، رضا اور ان کے علاوہ اور حسن عمل و حسن خلق کی جس قدر تعلیم آپ نے فرمائی ان سب کے لئے آپ ﷺ نے اپنا نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن مجید میں تھا وہ سب آپ ﷺ کی زندگی میں مجسم عمل ہو کر نظر آیا، چند صحابہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا ام المومنین! حضور اکرم ﷺ کے اخلاق و معمولات بیان فرمائیے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ ﷺ کا اخلاق ہمہ صفت قرآن تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہایت فیاض، نہایت سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے، جو شخص آپؐ کو پہلی دفعہ دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے وہ آپ ﷺ سے ملتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ (۵۱)

حضرت مولانا سید زوار حسن شاہ علیہ الرحمہ سیرت نبی کریم ﷺ کو مسلمان کے لئے آج کی اصطلاح میں روڈ میپ (نقشہ سفر) قرار دیتے ہیں، شاہ صاحب کے ارشادات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

دین و دنیا میں توازن کے لئے
ساری دنیا اور تنہا مصطفیٰ ﷺ

تابش دہلوی

حواشی وحوالہ جات

۱۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (مائدہ،۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند لے لیا۔ یہ آیت مبارکہ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

۲۔ القرآن، احزاب، ۷۱۔

۳۔ احمد بن حنبل، ابوعبداللہ الشیبانی (م ۲۴۱ھ) / المسند/ بیروت۔ دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء/ ج ۷/ص ۱۳۲، رقم ۲۴۰۸۰۔

۴۔ القرآن۔ آل عمران، ۱۳۲

۵۔ سورۃ نور آیت ۲۲ میں ارشاد ربانی ہے۔ وَلا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ط اور تم میں جو بزرگی اور وسعت والے ہیں انہیں اپنے قربت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہیے بلکہ معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے۔

حضرت مسطح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور نادار تھے، واقعہ افک سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کو خرچ دیا کرتے تھے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل ہوگئی تو انہیں حضرت مسطح کی طرف سے رنج ہوا، اس لئے انہوں نے آئندہ حضرت مسطح کی مدد نہ کرنے کی قسم کھائی، کیوں کہ واقعہ افک میں حضرت مسطح بھی شامل تھے، اس آیت میں اسی واقعے کا ذکر ہے کہ تم میں سے جو لوگ دینی بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ رشتے داروں کا خاص خیال رکھیں۔ ان آیات میں حضرت ابوبکر کو اولوا الفضل کہا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر/ ج ۳،ص ۲۷۵)

۶۔ مسلم/ ج ۱،ص ۹۰۔ رقم ۸۵

۷۔ مسلم/ ج ۱،ص ۴۳۶۔ رقم ۷۸۲

۸۔ بخاری/ ج ۱،ص ۱۸۔ رقم ۲۶

۹۔ حاکم/ مستدرک ج ۱،ص ۶۲۰ رقم ۱۶۵۵

۱۰۔ حاکم/ ج ۱،ص ۷۵۸ رقم ۲۰۹۰

۱۱۔ ابوداؤد/ ج ۱،ص ۴۹۳۔ رقم ۱۳۲۵

۱۱/۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: علامہ سید سلیمان ندوی/ سیرت النبی ﷺ / کراچی، دار الاشاعت۔ ۱۹۸۵/ ج ۶،ص ۲۱۱۔

۱۲۔ القرآن/ فاطر، ۲۸۔

۱۳۔ عن ابن عمر رضی الله عنه عن رسول الله ﷺ قال مثل اصحابی مثل النجوم یھتدی به فایھم اخذتم بقوله اھدتیم ۔عبد بن حمید (م ۲۴۹ھ) / المسند / قاہرہ، مکتبۃ السنہ، ۱۹۸۸ء / ج ۱/ص ۲۵۰۔ رقم ۷۸۳۔
۱۴۔ القرآن / بقرہ، ۱۳۔
۱۵۔ القرآن / توبہ، ۴۰۔
۱۶۔ مولانا سید زوار حسین شاہؒ / عمدۃ السلوک / کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز ۲۰۰۵ء / ص ۳۱۱۔
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ ایضاً ص ۳۱۲
۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ مولانا سید زوار حسین شاہؒ / مقالات زواریہ / کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء / ص ۳۴۔
۲۲۔ القرآن / حجرات، ۱۳۔
۲۳۔ القرآن / آل عمران، ۱۰۲
۲۴۔ القرآن / الجاثیہ، ۱۹
۲۵۔ القرآن / آل عمران، ۶۸
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ القرآن / نساء، ۸۰
۲۸۔ مقالات زواریہ / ص ۹۷
۲۹۔ ایضاً ص ۱۹۰
۳۰۔ القرآن ۔ المارج، ۲۳، ۲۴
۳۱۔ مقالات زواریہ / ص ۱۹۱
۳۲۔ القرآن / بنی اسرائیل، ۴۴
۳۳۔ مقالات زواریہ / ص ۱۸۲
۳۴۔ طبرانی / المعجم الکبیر / موصل، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۹۸۳ء / ج ۱۰، ص ۷۴
۳۵۔ القرآن / توبہ، ۱۱۱
۳۶۔ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی / احیاء علوم الدین، مصطفی البابی الحلبی، مصر، طبع ۱۹۳۹ء / ج ۲ / ص ۶۴۔
۳۷۔ القرآن / نجم ۳، ۴
۳۸۔ القرآن / انعام ۱۵۲
۳۹۔ القرآن / بنی اسرائیل، ۳۵

۴۰۔ القرآن/ التطفیف، ۱، ۳

۴۱۔ مقالات زواریہ، ۲۳۸ تا ۲۴۰۔

۴۲۔ القرآن/ احزاب، ۲۱

۴۳۔ مجمع الزوائد/ ج ۸/ ص ۴۷۵۔ رقم ۱۴۱۸۸۔

۴۴۔ القرآن، آل عمران، ۱۵۹

۴۵۔ مقالات زواریہ/ ص ۲۷۷

۴۶۔ بخاری/ ج ۱، ص ۲۸، رقم ۵۲، مسلم رقم ۱۵۹۹

۴۷۔ القرآن/ نساء، ۱۹۔

۴۸۔ مقالات زواریہ/ ص ۳۸۱۔

۴۹۔ القرآن/ بقرہ، ۲۱۳

۵۰۔ القرآن/ یونس ۱۲۸

۵۱۔ مقالات زواریہ/ ص ۵۰۳

رحمانیہ
سوئیٹس
اینڈ ڈیری
REHMANIA SWEETS &
DAiRY
﴿بالمقابل فردوس سینما، ٹھنڈی سڑک۔ حیدرآباد،﴾
فون: 780868